نگران حکومت اور بعد از انتخابات

مستقبل

فرخ سہیل گوئندی

02-09-2013

نگران حکومت کے قیام کا اعلان ہونے میں اب چند ہی روز باقی ہیں، لیکن یہ اتنا آسان فیصلہ نہیں جو حکومتی اتحاد اور اپوزیشن باہمی مشورے سے طے کرلیں گی۔ انتخابات کے انعقاد سے پہلے نگران وزیر اعظم کون ہوگا، اس فیصلے کی عمل پذیری کے لیے دونوں سیاسی قوتیں باہم فیصلہ کرنے میں اگر کامیاب نہ ہوئیں تو پھر فیصلہ کرنے کا اختیار متعلقہ پارلیمانی کمیٹی کو منتقل ہوجائے گا اور اگر فیصلہ یہاں بھی نہ ہوسکا تو پھر نگران وزیر اعظم کا فیصلہ الیکشن کمیشن کرے گا۔ اطلاعات کے مطابق دونوں سیاسی قوتیں کسی نگران وزیر اعظم کے نام پر متفق ہوتی نظر نہیں آرہی۔ ایسی صورتِ حال میں یقیناً وزیر اعظم ایک انتہائی غیر جانبدار اور سخت گیر انصاف رکھنے والا شخص ہی ہوگا، جس کی نگرانی میں انتخابات کی شفافیت پر لوگوں کا یقین قائم ہوگا۔

انتخابات کے انعقاد کے اعلان سے قبل ہی انتخابی اتحادوں اور سیٹس ایڈجسٹمنٹ کی اطلاعات بھی مل رہی ہیں۔ یہ عمل اس روز تیزی اختیار کرے گا جب نگران وزیر اعظم کی نامزدگی ہوجائے گی۔ آئندہ انتخابات میں جو بڑی تبدیلیاں ہوں گی وہ لوگوں کو حیرت زدہ کردیں گی۔ ان میں اہم ترین امکانات درج ذیل ہیں۔ عوامی نیشنل پارٹی، صوبہ خیبر پختونخوا میں بری طرح شکست سے دوچار ہوگی اور اس کی جگہ جمعیت علمائے اسلام، جماعت اسلامی اور پاکستان تحریک انصاف اکثریتی جماعتیں بن کر ابھریں گی۔ پاکستان پیپلز پارٹی اس صوبے میں اپنی موجودہ انتخابی پوزیشن برقرار رکھنے میں بری طرح مشکلات کا شکار ہوگی۔ لیکن وہاں پر مسلم لیگ (ن) اپنی پوزیشن بہتر کرنے میں کامیاب ہوگی۔ صوبہ سندھ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پی پی پی اس صوبے کے دیہاتی اور ایم کیو ایم شہری حلقوں کی دو اہم انتخابی قوتیں ہیں، وہاں کے ممکنہ انتخابی نتائج بھی لوگوں کے لیے حیرت کا باعث بنیں گے کہ وہاں پر مختلف قوم پرست قوتیں پہلی بار انتخابی سیاست میں ابھر کر سامنے آئیں گی۔ اس کے لیے وہ مسلم لیگ (ن) اور جاگیردار گروہوں کے ساتھ مل کر اپنے نمائندوں کی شکل میں اسمبلیوں میں داخل ہوں گے۔ سندھ کے ممکنہ انتخابی نتائج پی پی پی کے لیے حیران کن ہوں گے اور پھر وہ ان اسباب کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گی کہ کیوں کر ان کی جماعت صوبہ سندھ میں اپنے موجودہ انتخابی نتائج کو برقرار رکھنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ صوبہ پنجاب جو اقتدار کی سیاست کا گڑھ ہے، اس صوبے میں کسی جماعت کو اگر ساٹھ ستر کے قریب سیٹیں مل جائیں اور دوسرے صوبوں میں وہ اپنی حاصل کردہ چند ایک سیٹیں اکٹھی کرلے تو ایسے میں اس کے وفاقی حکومت بنانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کو اس کا بھرپور ادراک ہے، اسی لیے وہ سرائیکی صوبے کا کارڈ اور اب بہاولپور جنوبی پنجاب کا کارڈ استعمال کرکے آئندہ انتخابی نتائج کو حاصل کرنے کے اسی ٹارگٹ پر گامزن ہے۔ چوں کہ اس کو یہ احساس ہے کہ وسطی پنجاب میں یا یہ کہیے کہ شہری پنجاب (Urbanized Punjab) میں ان کی پوزیشن نہایت کمزور ہے، حالاں کہ ایک ترقی پسند جماعت کو

اربنائزڈ علاقوں میں زیادہ حمایت حاصل ہونی چاہیے۔

پی پی پی 1970ء، 1977ء اور کسی حد تک 1988ء میں پنجاب کے اربنائزڈ علاقوں میں ایک مستحکم انتخابی وجود رکھتی تھی لیکن پی پی پی نے اپنے ضلع اور تنظیم کے حوالے سے جاگیردار طبقے کو قیادت میں شامل کر کے شہری حلقوں میں عدم مقبول ہوئی ہے۔ 1988ء کے بعد پنجاب میں مرکنٹائل (تاجر طبقات) کا کردار ابھر کر سامنے آیا جس کی رہنمائی میاں نواز شریف کر رہے ہیں اور پچھلے پندرہ برسوں میں پنجاب کے ان شہری علاقوں میں ایک بڑی مڈل کلاس نے جنم لیا ہے، اب اس مڈل کلاس پر ایک جانب مسلم لیگ (ن) کی حمایت نظر آرہی ہے تو دوسری طرف نئی ابھر کر سامنے آنے والی اس پنجابی مڈل کلاس پر پاکستان تحریک انصاف کا اثر ورسوخ قائم ہوتا جارہا ہے۔ اگر پنجاب میں دائیں بازو کی جماعتیں جن میں مسلم لیگ (ن)، پاکستان تحریک انصاف، جماعت اسلامی اور دوسری مذہبی سیاسی جماعتیں انتخابی اتحاد یا دوستانہ انداز میں انتخابات میں اترتی ہیں تو ایسا انتخابی اتحاد پنجاب میں حیران کن نتائج برآمد کرسکتا ہے لیکن اس اتحاد کے امکانات کم ہیں۔ البتہ جماعت اسلامی، پاکستان تحریک انصاف اور دوسری سیاسی جماعتیں ایک دوسرے سے سیٹس ایڈجسٹمنٹ کریں گی اور اس طرح دیگر جماعتیں بھی۔ لیکن اس کے باوجود پی پی پی کے لیے جہاں سرائیکی کارڈ مطلوبہ نتائج برآمد کرنے میں کارگر ثابت نہیں ہوگا، وہیں پر وہ پنجاب کے شہری حلقوں میں بری طرح ناکام ہوگی۔ اس سارے انتخابی معرکوں میں مسلم لیگ (ن)، پنجاب میں بہتر پوزیشن حاصل کرنے میں کامیاب نظر آرہی ہے جب کہ پاکستان تحریک انصاف اس بار اس صوبے سے محدود تعداد میں اپنے نمائندے جتوانے میں کامیاب ہوجائے گی۔ پنجاب میں مسلم لیگ (ن) کی ممکنہ کامیابی اس کو وفاقی حکومت بنانے کے قریب کردے گی۔ لیکن اہم ترین بات یہ ہے کہ انتخابات سے قبل انتخابی قوانین کے حوالے سے مسلم لیگ (ن) کی قیادت کرنے والا ایک بڑا طبقہ نااہل قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان انتخابی قوانین کے نتیجے میں مسلم لیگ (ن) سب سے زیادہ نشانہ بنتی نظر آرہی ہے۔ ایسے میں جہاں پی پی پی وہ نتائج حاصل نہیں کر پائے گی کہ وہ وفاق میں حکومت بنا پائے، وہیں پر مسلم لیگ (ن) اپنی اہم قیادت کو انتخابات میں داخل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گی۔

امکانات یہ ہیں کہ اگلا وزیراعظم مسلم لیگ (ن) سے ہو، لیکن اس حوالے سے مسلم لیگ (ن) جس شخصیت کو وزیراعظم سیکریٹریٹ میں نظامِ سلطنت چلاتے دیکھنا چاہتی ہے وہ شاید ممکن نہ ہو۔ بلوچستان کی چند ایک قوم پرست جماعتیں بھی مسلم لیگ (ن) کے ساتھ انتخابی دوستانہ قائم کر کے جہاں وہ اپنی انتخابی پوزیشن بنانا چاہتی ہیں، وہیں پر یہ عمل مسلم لیگ (ن) کو بلوچستان میں سیاسی عمل داری کے مواقع فراہم کرے گا۔ بلوچستان کے انتخابی نتائج جو بھی ہوں گے اس صوبے کے منتخب نمائندے اپنا توازن وفاق میں قائم ہونے والی پارٹی کے پلڑے میں ڈالیں گے، جن میں دیگر جماعتوں کے علاوہ بلوچستان نیشنل پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام بھی شامل ہیں۔ آئندہ انتخابات کے نتائج میں قائم ہونے والا سیاسی ڈھانچا موجودہ سیاسی ڈھانچے سے زیادہ Fragile ہوگا اور منتخب ہونے والی قیادت ریاست کے طاقتور اداروں کے رحم وکرم پر ہوگی۔ سندھ، بلوچستان، خیبر پختونخوا اور پنجاب سے روایتی سیاسی خاندان انتخابات میں ایک بار پھر منتخب ہوکر آئیں گے۔ حتیٰ کہ پاکستان تحریک انصاف کے پلیٹ فارم سے بھی منتخب لوگوں میں اکثریت انہی لوگوں کی ہوگی جو سیاست کے روایتی چہرے ہیں اور ہم دیکھیں گے کہ قومی اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں جاگیردار، سرمایہ دار اور نودولتی کلاس براجمان ہوگی اور ان میں سے طے کیے گئے لوگ حکومتوں میں شامل ہوں گے۔ لہٰذا جو لوگ ان انتخابات کے عمل سے سماجی تبدیلیوں، تبدیلیاں یا انقلابات ڈھونڈنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کو اس بارے زیادہ امیدیں نہیں باندھنی چاہئیں۔